ان آیات میں سب سے زیادہ اہم اور قابل غور فقرہ " لترکبن طبقاً عن طبق " ہے، جس کو
ت کرنے کے لیے شام کی سرخی، رات، مختلف مظاہر کائنات اور خود چاند کو بطور شہادت
ں کیا جا رہا ہے۔ اصطلاحِ تفسیر میں اس فقرہ کو مقسم علیہ کہتے ہیں۔

طبق کے معنی ہیں: طبقہ، درجہ، منزل، حال، حالت۔ اور اس فقرہ میں درجہ بدرجہ منزل
منزل یا حال بحال ترقی کرنے یا دوسرے لفظوں میں بتدریج مختلف منازل طے کرنے کا
عموم پایا جا رہا ہے۔ اور اس میں فطری و عقلی اور علمی تمدن ہر قسم کی ترقیاں آ جاتی ہیں اور کسی
اس مفہوم کی تحدید نہیں کی جا سکتی۔ اب چونکہ ان الفاظ میں عموم اور ابہام پایا جا رہا ہے۔
ں لیے اسی عموم و ابہام میں طبقات سماوی میں داخلے کا مفہوم بھی شامل سمجھا جا سکتا ہے یعنی
درجہ بدرجہ ایک سیارے سے دوسرے سیارے تک ضرور پہنچو گے۔ اس مفہوم کے صحیح
نے پر حسب ذیل دلائل ہیں:

(۱) الفاظ کا عموم و ابہام۔ جس کی تفصیل اوپر گزر چکی۔

(۲) " ترکبن " رکوب سے مشتق ہے، جس کے معنی سوار ہونے یا سواری کرنے کے ہیں۔ اور
ئی پرواز بھی ایک قسم کی سواری ہی ہے۔ اور چاند پر پہنچنا بھی اس پر سوار ہونے ہی کے
ادف ہے۔

(۳) سب سے بڑھ کر یہ کہ اس آیت کے متصل ہی چاند کا ذکر بھی صراحتاً موجود ہے۔ " وَالْقَمَرِ
إِذَا اتَّسَقَ "۔

(۴) اس میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ جس طرح چاند بتدریج مختلف منزلیں طے
کے بدر کامل بن جاتا ہے، یہی حال انسان کی ترقیوں کا بھی ہے کہ وہ بھی بتدریج تہذیب و
ن کے کمال کی منزلیں طے کر رہا ہے۔ یہ ہے " اسلوب قسم " کے مطابق چاند کی شہادت
گواہی۔ گویا کہ انسان کی موجودہ ترقی و تکمیل پر خود چاند ہی گواہ ہے۔ " اور چاند بھی شاہد ہے
تم ضرور منزل بہ منزل سوار ہوتے جاؤ گے۔" یعنی طبقاتِ سماوی میں داخل ہو جاؤ گے مثلاً

آج چاند پر گئے تو کچھ عرصہ کے بعد زہرہ اور مریخ پر، پھر کچھ مدت کے بعد دوسرے سیاروں پ

(۵) اس مفہوم کی بدولت ان آیات کا باہمی ربط واضح ہو جاتا ہے اور آخری دو آیتوں کا م بھی صاف ہو جاتا ہے۔ یعنی ان کھلی کھلی وضاحتوں کے بعد بھی منکرین و معاندین کا قرآن ح ایمان نہ لانا، خدا کے وجود اور قیامت کی حقانیت کو تسلیم نہ کرنا یقیناً تعجب کی بات اور تعص عناد کی انتہا ہے۔

غرض پچھلی آیات میں صرف راکٹ سازی اور خلائیات یا زمین کی حدود کشش سے یا نکلنے کا تذکرہ تھا مگر ان آیات نے یہ حقیقت بھی صاف کردی کہ انسان بتدریج چاند ستا پر پہونچ کر ان پر فروکش ہو سکتا ہے اور درجہ بدرجہ ایک سیارے سے دوسرے سیارے پ کمند پھینک سکتا ہے۔

لَقَدْ اَنْزَلْنَا اِلَيْكُمْ كِتٰبًا فِيْهِ ذِكْرُكُمْ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ.

ہم نے تمہارے پاس یقیناً ایک ایسی کتاب بھیج دی ہ جس میں تمہاری داستان مذکور ہے، کیا تم نہیں سمجھتے

(انبیاء: ۱۰)

اب اس سے زیادہ واضح بیان اور صراحت کیا ہو سکتی ہے؟ اس موقع پر یہ نکتہ بھی فرام نہیں کرنا چاہیے کہ اگر بالفرض چودہ سو سال قبل اس سے بڑھ کر صراحت کی جاتی اور صاف صاف یہ کہہ دیا جاتا کہ تم ایک دن چاند پر بھی پہونچ جاؤ گے تو اس زمانے میں یہ ایک انتہائی تعجب اور اچنبھے کی بات ہوتی۔ اور بہت ممکن تھا کہ اس دور کے لوگ اس قسم کی باتوں کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیتے اور صاف صاف کہہ دیتے کہ یہ قرآن نہ صرف "اساطِيرُ الْاَوَّلِيْنَ" ہے بلکہ "اَسَاطِيرُ الْاٰخِرِيْن" بھی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس قسم کی باتوں کو عموماً اشاروں کنایوں میں بیان کیا گیا ہے تاکہ وہ کسی بھی دور میں معمہ یا چیستاں نہ بن جائے اور مناسب وقت آ پر اسکا اصل مفہوم بھی واضح ہو جائے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ کسی چیز کا قبل از وقت مفہوم سمجھ لینا ناممکن ہوتا ہے جب تک کہ اسکا زمانہ نہ آجائے۔ بالفاظ دیگر قرآن مجید کی تفسیر

قیامت تک مکمل نہیں ہوسکتی بلکہ ہر دور میں اس کی تجلیاں ظاہر ہوتی رہیں گی۔ اور اسرار و معارف یا "کلماتِ ربانی" کا کبھی اختتام نہ ہو سکے گا۔

محکمات اور متشابہات

پھر آیت بالا (انبیاء: ۱۰۰) سے یہ عبرت بھی بخوبی حاصل ہو جاتی ہے کہ ہر دور والوں کو "اپنا تذکرہ" خوشی خوشی قبول کر لینا چاہیے اور جو بات باوجود کوشش کے سمجھ میں نہ آئے یا جن آیات میں کوئی غموض پایا جاتا ہو وہ اپنے بعد والوں کے لئے چھوڑ دی جائیں۔ مطلب یہ کہ اس قسم کی آیات کی اصل حقیقت آئندہ دور میں ظاہر ہونے والی ہے۔ کیونکہ قرآن تو صاف صاف روزِ اول ہی یہ اعلان کر چکا ہے کہ اس کے صفحات میں دو قسم کی آیات موجود ہیں۔

(۱) جن کا معنی و مفہوم بالکل واضح ہے۔ قرآن کی اصطلاح میں ان کو محکمات کہا گیا ہے۔ اور تمام عقائد و اعمال کی بنیاد ان ہی پر ہے۔ بالفاظِ دیگر تمام شرعی احکام و مسائل محکمات کے روپ میں بیان کئے گئے ہیں جن کے تعین میں کسی قسم کا اشتباہ نہیں ہے۔

(۲) وہ آیات جن کے معنی و مفہوم میں غموض و پیچیدگی پائی جاتی ہے۔ ان کو قرآن متشابہات کے نام سے موسوم کرتا ہے۔ اور یہ وہ آیات ہیں جن کا شرعی مسائل سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ نظامِ کائنات اور اس کے اسرار سے متعلق ہوتے ہیں۔ اور یہی وہ حقائق ہیں جو اپنے وقت سے پہلے کبھی ظاہر نہیں ہو سکتے۔ اور اس مضمون میں راکٹ سازی اور دیگر اسرارِ کائنات سے متعلق جو بھی آیات پیش کی گئی ہیں وہ اسی قسم ثانی سے متعلق ہیں۔

هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ	وہی ہے جس نے تجھ پر (اے محمدؐ) یہ کتاب اتاری،
مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ	اس میں کچھ آیات محکم ہیں جو اصل کتاب ہیں اور دوسری
الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ۭ	متشابہ، پس جن لوگوں کے دلوں میں کھوٹ ہوتا ہے
فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ	وہ متشابہات کے پیچھے پڑ جاتے ہیں فتنہ برپا کرنے
فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاۗءَ	اور حقیقی مفہوم کی تلاش کی خاطر، حالانکہ ان کا اصل مطلب

الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَاْوِيْلِهٖ ۚ وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗۤ اِلَّا اللّٰهُ ۘ وَالرّٰسِخُوْنَ فِى الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّاۤ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝

(آل عمران — ۷)

اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا، اور جو لوگ علم میں پختگی رکھتے ہیں وہ کہہ اٹھتے کہ ہم (ان متشابہات پر بھی) ایمان لائے (خواہ ان کی اصل حقیقت ہماری سمجھ میں آئے یا نہ آئے) اس کتاب کی ہر چیز ہمارے رب ہی کی جانب سے اتاری ہوئی ہے۔ اور صرف دانشمند لوگ ہی (ان باتوں سے) سبق حاصل کر سکتے ہیں۔

مطلب یہ کہ کلام اللہ میں اوچھی تاویلات یا بلا سوچے سمجھے توڑ مروڑ کر کے فتنہ و فساد پھیلانا جائز نہیں۔ بلکہ حسب ذیل آیات کے مطابق؛

اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ

ہم نے اس کو فصیح و بیّن قرآن بنا دیا ہے تاکہ تم سمجھ سکو (یوسف: ۲ اور زخرف: ۳)

بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ۔

واضح و غیر پیچیدہ زبان میں (شعراء: ۱۹۵)

كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْۤا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ۔

یہ بڑی بابرکت کتاب ہے جس کو ہم نے تجھ پر نازل کیا ہے تاکہ لوگ اس کی آیتوں میں غور و فکر کریں اور دانشمند چونک سکیں (ص: ۲۹)

لَقَدْ اَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكُمْ كِتٰبًا فِيْهِ ذِكْرُكُمْ ۚ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ۔

ہم نے تمہارے پاس یقیناً ایک کتاب بھیج دی ہے جس میں تمہارا تذکرہ موجود ہے کیا تم نہیں سمجھتے؛ (انبیاء: ۱۰)

ہر دور والوں کو لغت، کلام عرب، اصول تفسیر اور نظام کائنات (یا علوم جدیدہ) کی روشنی میں اور تمام صحیح اصولوں کو کام میں لا کر "اپنا تذکرہ" تلاش کرنا چاہیے۔ اور جو چیز "اپنے تذکرہ" سے متعلق نہ ہو اس کو مستقبل کے مفسر کے لیے چھوڑ دینی چاہیے اس طرح کتاب اللہ کی تمام متشابہات محکمات میں تبدیل ہوتی جائیں گی۔ میرے نزدیک یہ محکمات و متشابہات کی ایک انقلابی تعبیر ہے۔ مزید تنقیح کے لیے ملاحظہ ہو "قرآن مجید اور سائنس"۔ اس توجیہ سے اس سلسلے کے بہت سے اشکالات رفع ہو جاتے ہیں۔

(باقی)

بیمہ کی حقیقت و شرعی حیثیت

(۶)

از مولانا محمد تقی امینی صاحب ناظم دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

حضرت معاویہؓ نے سرکاری سطح پر کفالتِ عامہ کے لئے افسر اعلیٰ کا تقرر کیا تھا۔

جعل رجلا علی حوائج الناس[۱] — ایک آدمی عوام کی ضرورت کے لئے مقرر کیا۔

دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں:

فجعل معاویۃ رجلا علی حوائج الناس[۲] — معاویہؓ نے لوگوں کی ضرورت پر ایک آدمی کا تقرر کیا۔

آزادانہ تنظیم کا ثبوت یہ ہے:

آزادانہ تنظیم ہو

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زمانۂ جاہلیت کی بہت سی آزادانہ تنظیمات عاقلہ وغیرہ کو برقرار رکھا اور عوام کو بھی کفالت کا ذمہ دار ٹھہرایا جس سے جدید تنظیم قائم کرنے کی طرف اشارہ ملتا ہے مثلاً ایک حدیث قدسی میں ہے:

---

[۱] ابوداؤد کتاب الخراج والامارۃ باب فیما یلزم الامام من امر الرعیۃ —

[۲] ترمذی ابواب الاحکام باب ما جاء فی امام الرعیۃ

المال مالی والفقراء عیالی فمن بخل من مالی علی عیالی فلا دخلن جہنم ولا ابالی[1]

مال میرا مال ہے اور فقراء میری عیال ہیں جس شخص نے میرا مال میری عیال پر خرچ کرنے میں بخل کیا اس کو ضرور جہنم میں داخل کروں گا اور مجھے کچھ پرواہ نہ ہوگی۔

ایک موقع پر آپ نے فرمایا:

من کان معہ فضل ظہر فلیعد علی من لا ظہر لہ ومن کان لہ فضل من زاد فلیعد بہ علی من لا زاد لہ قال فذکر من اصناف المال ما ذکر حتی رأینا انہ لا حق لاحد منا فی فضل[2]

جس شخص کے پاس سواری اور طاقت کے دوسرے سامان اپنی ضرورت سے زائد ہوں وہ اس شخص کو دیدے جس کے پاس سامان نہ ہو اور جس کے پاس کھانے پینے کی چیزیں ضرورت سے زائد ہوں وہ زائد چیزیں مفلس ونادار کو دیدے راوی ابوسعید خدری کا قول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح مال کی مختلف قسموں کا ذکر کرکے زائد مال دوسروں کو دیدینے کی تاکید فرماتے رہے یہاں تک کہ ہم نے گمان کیا کہ زائد میں ہم لوگوں کا کوئی حق نہیں ہے۔

حضرت علی رضؓ نے فرمایا:

ان اللہ تعالیٰ فرض علی الاغنیاء فی اقواتھم بقدر ما یکفی فقراءھم

اللہ تعالیٰ نے بقدر کفایت غرباء کی ضرورت پوری کرنا مالداروں پر فرض کیا ہے اگر وہ

---

[1]

[2] المحلی ج ۶ ص ۱۵۸ ابن حزم

فان جاعوا وعروا وجهدوا فبمنع الاغنیاء وحق علی اللّٰہ ان یحاسبھم یوم القیمۃ ویعذبھم علیہ۔[1]

بھوکے ننگے یا اور کسی معاشی مصائب میں مبتلا ہوئے تو یہ مالداروں کے نہ دینے کی وجہ سے ہے اللہ کا حق ہے کہ قیامت کے دن ان سے حساب لے اور ان کو سزا دے۔

مذکورہ تفصیلات سے ظاہر ہے کہ حکومت و عوام دونوں کو ہر دور میں بہتر تنظیم قائم کرنے اور مفید تر کو قبول کرنے کا اختیار ہے بشرطیکہ ان میں درج ذیل اخلاقی مفاسد نہ پائے جائیں۔

خود غرضی، مفاد پرستی، اجارہ داری، ذخیرہ اندوزی، فریب دہی، طلب و رسد کے قدرتی تناسب میں خلل اندازی، مستقبل کی سودابازی، جہالت، منازعت، ناجائز استحصال، اجتماعی مفاد کی قربانی، باہمی تعاون کا فقدان، قمار، سٹہ اور سود وغیرہ۔

ذیل میں "بیمہ" کے اغراض حاصل کرنے کے لئے بہتر تنظیم وجود میں آنے تک "بیمہ" کا جواز ذکر کیا جاتا اور اس پر ہونے والے اعتراض کا جواب دیا جاتا ہے۔

بیمۂ اموال عام ضرورت کے تحت جائز ہے اوپر بنیادی حیثیت سے بیمہ کی دو قسمیں بیان ہوئی ہیں:

(۱) اموال کا بیمہ اور

(۲) زندگی کا بیمہ

اموال کے بیمہ میں یہ قسمیں شامل ہیں:

(الف) بحری بیمہ

(ب) آگ کا بیمہ اور

---

[1] المحلی ج ۶ ص ۱۵۶ مسئلہ ۷۲۵

(ج) حادثاتی بیمہ

موجودہ دور میں عام ضرورت کے تحت یہ تینوں جائز ہیں کیونکہ بحری بیمہ کے بغیر حفاظت کے ساتھ مال لانے اور لے جانے کی کوئی شکل نہیں۔ اور آگ کے بیمہ و حادثاتی بیمہ کے بغیر تلافی نقصان کی کوئی صورت نہیں ہے۔

البتہ جن قسموں کا تعلق "ضرورت" سے نہیں بلکہ محض تعیش یا جذبۂ اقتدار کی تسکین سے ہے وہ جائز نہ ہوں گی مثلاً حسن وجمال، راگ راگنی اور الیکشن وغیرہ کا بیمہ۔

عدم جواز کے وجوہ اور ان کے جوابات بیمۂ اموال کو جن خرابیوں کی بنا پر ناجائز کہا جاتا ہے یہ ہیں:

(۱) نقصان نہ ہونے کی صورت میں پریمیم ضبط ہو جاتا ہے۔

(۲) نقصان کے اسباب و تخمینہ میں اختلاف کی وجہ سے نزاع پیدا ہوتا ہے۔

(۳) کمپنی سودی قرض دیتی اور تمسکات خرید کر سود لیتی ہے۔

ہر ایک کے جوابات یہ ہیں:

(۱) بیمۂ اموال ایک "تنظیم" ہے جو امداد باہمی اور تلافی نقصان کی غرض سے وجود میں آئی ہے جیسا کہ پہلے گذر چکا اس قسم کی تنظیمات میں بالعموم اجتماعی مفاد مقدم ہوتا اور ایک حد تک انفرادی مفاد نظر انداز ہوتا ہے۔ چنانچہ اگر اسلامی قاعدہ کے مطابق کوئی تنظیم اس غرض سے وجود میں آئے تو اس میں بھی ہر فرد کے فائدہ اٹھانے کی یکساں صورت نہ بن سکے گی بلکہ نقصان و حادثہ کی نوعیت کے لحاظ سے تلافی و مدد کی مقدار میں تفاوت ہوگا اور کوئی ایسا ہی ہوگا کہ اس کو فائدہ اٹھانے کی ضرورت نہ ہوگی۔

مثلاً تامین تبادلی (جس میں ہر شریک ایک خاص رقم اس غرض سے جمع کرتا ہے کہ نقصان کے وقت اس رقم سے تلافی کی جائے اور جس کا نقصان نہ ہو وہ رقم کی واپسی کی امید نہ رکھے) کے طرز پر مشترکہ تنظیم کے ذریعہ اس کی مجموعی رقم سے تلافی و مدد کی شکل نکالی گئی تو ہر شخص

کو نہ یکساں امداد کی ضرورت ہو گی اور نہ تلافی نقصان کی صورت پیش آئے گی۔ لیکن چونکہ معاہدہ میں اس قسم کے تفاوت کو نظر انداز کرنے کی بات پہلے طے ہو چکی ہے اس بناپر اس میں کوئی قباحت یا کسی کی حق تلفی نہ سمجھی جائے گی۔

اسی طرح مذکورہ نظام عاقلہ کے طرز پر ہم پیشہ وہم مشرب لوگوں کی تنظیم قائم ہو اور باہمی چندہ کے ذریعہ فنڈ کی فراہمی کا بندوبست ہو تو اس سے بھی فائدہ اٹھانے کی شکلوں میں یکسانیت نہ برقرار رہے گی لیکن ابتدا میں وضاحت کی وجہ سے شرعی قباحت بھی نہ لازم آئے گی۔

(۲) نقصان کے اسباب وتخمینہ میں اختلاف کی وجہ سے اجتماعی معاملات میں کچھ نہ کچھ نزاعی صورتیں پیش آتی ہی ہیں جن کو نظر انداز کئے بغیر چارہ نہیں ہے جیسا کہ نظر انداز کرنے کی چند مثالیں آگے آرہی ہیں۔

(۳) کمپنی صرف سودی کاروبار نہیں کرتی بلکہ تجارت وکرایہ کا معاملہ بھی کرتی ہے اس بنا پر صرف سودی کاروبار کو بنیاد بناکر عدم جواز کا فیصلہ مناسب نہیں ہے۔

بیمۂ زندگی بھی عام ضرورت کے تحت جائز ہے

زندگی کے بیمہ میں یہ قسمیں شامل ہیں:

(الف) سالیانہ بیمہ

(ب) لائف انشورنس پالیسی اور

(ج) مسئولیاتی بیمہ

یہ تینوں بھی عام ضرورت کے تحت جائز ہیں کیونکہ حادثات وخطرات میں مالی کفالت کا کوئی بندوبست نہیں ہے۔

عدم جواز کے وجوہ اور ان کے جوابات

بیمۂ زندگی کو جن خرابیوں کی بناپر ناجائز کہا جاتا ہے یہ ہیں:

(۱) بیمہ کا تعلق رہن کی اس قسم سے ہے جو شرعاً ناجائز ہے۔

(۲) بیمہ میں تقدیر الٰہی سے مقابلہ اور قانون وراثت کا تعطل ہے۔

(۳) بیمہ میں جوا، دھوکا اور سود پایا جاتا ہے۔

ہر ایک کے جوابات درج ذیل ہیں:

(۱) بیمہ کا تعلق رہن سے نہیں بلکہ امانت سے ہے یعنی کارپوریشن بحیثیت "امین" زر بیمہ پر قابض ہوتا ہے۔

لیکن بیمہ کو "امانت" سے متعلق کرنے میں یہ اعتراض وارد ہوتے ہیں:

(الف) "امین" مال امانت میں تصرف کرنے کا مجاز نہیں جبکہ کارپوریشن زر بیمہ میں آزادانہ تصرف کرتا ہے۔

(ب) حفاظت میں کوتاہی کے بغیر مال امانت تلف ہو جائے تو "امین" پر تاوان واجب نہیں جبکہ زر بیمہ تلف ہو جانے کی صورت میں بہر حال کارپوریشن پر ادائیگی واجب ہے۔

(ج) مال امانت جس قدر بھی ہو اس کی واپسی ضروری ہے جبکہ بیمہ میں دو سال کا پریمیم ادا کرنے سے پہلے بیمہ کو منقطع کیا جائے تو ادا شدہ پریمیم ضبط ہو جاتا ہے۔

(د) امانت میں جس قدر رقم حوالہ کی جاتی بس اسی کی واپسی ضروری ہوتی ہے جبکہ بیمہ میں مدت مقررہ سے پہلے بیمہ دار کے انتقال کی صورت میں طے شدہ پوری رقم ورثار کو دی جاتی ہے۔

(ر) مال امانت سے کارپوریشن ناجائز آمدنی (سود) بھی حاصل کرتا ہے جس کی شرعاً اجازت نہیں ہے۔

ان اعتراضات کے جواب ترتیب وار یہ ہیں:

(الف) امین کو مالک کی اجازت سے مال امانت میں تصرف کا حق حاصل ہے بیمہ میں معاہدہ کے ذریعہ کارپوریشن کو یہ حق حاصل ہو جاتا ہے۔

وان باذنہ اشترکا شرکۃ املاک[1]۔ | "امین" اگر مالک کی اجازت سے امانت کو اپنے مال میں شامل کرلے تو دونوں کے درمیان شرکت ملکیت ہوجائے گی۔

اپنے مال میں شامل کرنے کے حق سے ضمناً تصرف کا حق بھی حاصل ہوجاتا ہے کیونکہ شمولیت کے بعد تصرف میں امتیاز قائم کرنا سخت دشوار ہے

(ب) حفاظت میں کوتاہی کے بغیر بھی ضمان واجب ہونے کی کئی صورتیں ہیں مثلاً اجازت کے بغیر شامل کرنے سے ضمان واجب ہوتا ہے۔

لوخلطہا المودع بجنسہا اوبغیرہ بمالہ اومال آخر بغیر اذن المالک بحیث لاتتمیز الا بکلفۃ[2]۔ | اگر امین نے مالِ امانت کو اس کی جنس یا غیر جنس اپنے مال یا غیر کے مال کے ساتھ مالک کی اجازت کے بغیر اس طرح شامل کر لیا کہ مشقت کے بغیر دونوں میں امتیاز نہیں ہوسکتا تو (تلف کی صورت میں) ضمان واجب ہوگا۔

عندالطلب مال نہ واپس کرنے سے ضمان واجب ہوتا ہے۔

فان طلبہا صاحبہا فمنعہا وھو یقدر علی تسلیمہا ضمنہا[3]۔ | اگر مالک نے مال طلب کیا اور قدرت کے باوجود "امین" نے مال واپس نہ کیا تو ضمان واجب ہوگا۔

اجرت کے بدلہ امانت رکھنے سے ضمان واجب ہوتا ہے۔

فلا یضمن بالھلاک الا اذا کانت الودیعۃ باجر[4]۔ | اگر امانت اجرت کے بدلہ ہو تو تلف سے ضمان واجب ہوگا۔

---

[1] درالمختار از حاشیہ ردالمحتار ج ۴ ص ۶۸۵ [2] ایضاً

[3] ہدایہ ج ۳ ص ۲۲۶ [4] ردالمحتار ج ۴ ص ۶۸۱

بیمہ میں وجوب ضمان کی دو وجہیں ہو سکتی ہیں :

(الف) اجازت کے بعد تصرف کا حق صرف جائز امور تک محدود رہتا ہے جبکہ کارپوریشن اپنے کو جائز و ناجائز ہر قسم کے تصرف کا مجاز سمجھتا ہے۔

(ب) رقم کی واپسی عند الطلب نہیں ہوتی بلکہ مدت مقررہ پر ہوتی ہے۔

(ج) کا جواب بیمۂ اموال میں گذر چکا۔

(د) امداد باہمی کے اداروں میں بالعموم کسی کو کچھ نقصان برداشت کرنا پڑتا اور کسی کو زیادہ فائدہ اٹھانے کا موقع ملتا ہے لیکن کسی کو اعتراض کی گنجائش اس لئے نہیں ہوتی کہ معاہدہ کے ذریعہ پہلے ہی سب کچھ طے ہو جاتا ہے

(ج) معاہدہ کی خلاف ورزی کی وجہ سے سزا کا مستحق ہوا اور (د) کے ورثار بیمہ دار کے انتقال کی وجہ سے ہمدردی کے مستحق ہوئے اس بنار پر (ج) کا سرمایہ ضبط ہوا اور (د) کو ادا شدہ رقم سے زیادہ ملی۔

(ر) کارپوریشن زر بیمہ سے صرف ناجائز آمدنی نہیں حاصل کرتا بلکہ تجارت و کرایہ وغیرہ کے ذریعہ جائز آمدنی بھی حاصل کرتا ہے ایسی صورت میں معاملت کے لئے غلبہ کا اعتبار ہے۔ چنانچہ عالمگیری میں ہے :

لان اموال الناس لا تخلوا عن قليل حرام فالمعتبر الغالب[1]	لوگوں کے اموال میں کچھ نہ کچھ حرام ہوتا ہی ہے اس لئے غلبہ کا اعتبار ہے۔

(۲) تقدیر الٰہی سے مقابلہ اس بنار پر نہیں کہ بیمہ میں حادثات و خطرات سے حفاظت کی ضمانت نہیں ہوتی بلکہ تلافی نقصان کی ضمانت ہوتی ہے۔

اسی طرح قانون وراثت کے نفاذ کی ذمہ داری کارپوریشن پر نہیں بلکہ بیمہ دار اور اس کے

---

[1] فتاویٰ عالمگیری ج ۵ صـ ۳۴۳

ورثاء پر ہے زر بیمہ کی واپسی کے بعد بھی قانون وراثت نافذ ہو سکتا ہے۔

(۳) بیمہ میں جوا اور دھوکہ کا سوال نہایت لغو ہے جیسا کہ مصطفےٰ زرقاء کے جواب میں گذر چکا۔ سود لینے پر بیمہ دار کو مجبور نہیں کیا جاتا غیر بونس (سود) والی پالیسی لینے کا اختیار ہے۔

معاملات ومبادلات کی چند شکلیں جو عدم جواز کے بعض وجوہ پائے جانے کے باوجود جائز ہیں

ذیل میں مبادلات ومعاملات کی چند وہ شکلیں ذکر کی جاتی ہیں جن کی اجازت عام ضرورت کے تحت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا فقہاء کرام سے ثابت ہے حالانکہ ان میں قاعدہ کے مطابق بعض خرابیاں پائی جاتی ہیں۔

بیع عرایا (۱) بیع عرایا

بیع العریۃ تخرصها تمرًا فانه بیع الرطب باليابس[1] درخت پر لگے ہوئے تازہ کھجور تخمینہ سے خشک کھجور کے بدلہ بیچنا۔

صورت یہ تھی کہ ایک شخص پھل کھانے کے لئے کسی کو عاریۃً کھجور کا درخت دیتا لیکن باغ میں آمد ورفت کی وجہ سے مالک کو تکلیف ہوتی اس بنا پر وہ درخت واپس لے کر اس کے عوض تخمینہ سے خشک کھجور دیتا تھا[2]

محمود بن لبید کہتے ہیں کہ میں نے زید سے "عرایا" کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے انصار کے چند ضرورتمندوں کا نام لے کر کہا کہ ان لوگوں نے (خریدنے کی حیثیت نہ ہونے کی وجہ سے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تازہ پھل نہ ملنے کی شکایت کی تو آپ نے فرمایا کہ تمہارے پاس جو خشک کھجوریں موجود رہتی ہیں ان کے عوض "عرایا" خرید لیا کرو اسطرح تازہ پھل کھانے کو مل جائیں گے[3]۔

"عرایا" میں درج ذیل خرابیاں پائی جاتی ہیں جن کی بنا پر قاعدہ کے مطابق جائز نہ

---

[1] الموافقات ج ۴ ص ۲۰۰ [2] حاشیہ ہدایہ ص ۳۷ [3] المغنی ج ۲ ص ۷

ہونا چاہئے۔

۱ قبضہ نہیں پایا جاتا (کیونکہ تازہ پھل بتدریج سپرد ہوتا ہے) جو مبادلہ کے جواز کی شرط ہے۔

۲ مساوات نہیں پائی جاتی جو جنس کی بیع جنس کے عوض جائز ہونے کی شرط ہے۔

۳ جہالت پائی جاتی ہے (کیونکہ محض تخمینہ سے بیع ہوتی ہے) جس سے نزاع کا اندیشہ ہے۔

لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عام ضرورت کے تحت اس کی اجازت دی چنانچہ شاطبیؒ کہتے ہیں:

لکنہ ابیح لما فیہ من الرفق ورفع الحرج بالنسبۃ الی المعری والمعری لہ[1]

لیکن یہ مباح کی گئی کیونکہ اس میں نرمی ہے اور عاریت دینے والے و لینے والے دونوں کا حرج دور کرنا ہے۔

بیع سلم

۲ بیع سلم

بیع آجل بعاجل[2]

ادھار کی بیع نقد کے بدلے

یعنی کوئی شخص کسی کو دس روپیہ (مثلاً) دے اور اس کے عوض چار ماہ بعد (فصل کٹنے پر فلاں ماہ کی فلاں تاریخ میں فی روپیہ دو سیر گیہوں کے حساب سے ۲۰ سیر گیہوں لے۔

یہ "معدوم" کی بیع ہے اس بنا پر قاعدہ کے مطابق جائز نہ ہونی چاہئے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عام ضرورت کے تحت اس کی اجازت دی اور فقہار نے باب السلم میں اس کے بہت سے احکام بیان کئے۔

---

[1] الموافقات ج ۱ ص ۲۰۷

[2] حاشیہ ہدایہ باب السلم